مذہبی تصورات کا مبداء کیا ہے؟

رئیس العلماء مولانا سید کاظم نقوی مجتہد (علی گڑھ)

(آخری قسط)

قرآن کا طریقۂ استدلال

قرآن مجید نے افرادِ انسانی کو خدا کے ماننے کا پیغام مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں انسان کی فطرت اور عقل پر بھروسہ کیا ہے۔ اس کی دلیلوں نے ان حکماء اور فلاسفہ کی عقلوں کو روشنی دی ہے جو نزولِ قرآن کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

اس نے مبداءِ خلقت کی طرف انسان کو طرح طرح سے متوجہ کیا ہے کبھی یوں فرمایا:

فَاِذَا رَکِبوا فی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّین فَلَمَّا نَجاھم اِلی الْبر اذاھم یُشرکُون۔

(عنکبوت: ۶۵)

''جب لوگ کشتی میں سوار ہوتے اور وہ منجدھار میں پھنستی ہے تو وہ بڑے اخلاص کے ساتھ اپنی فطرت کی تحریک سے خدا کو پکارنے لگتے ہیں، لیکن جب انھیں خدا نجات دے دیتا ہے اور بہ سلامتی ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو وہ بدستور ملحد بن جاتے ہیں۔''

دوسرے رخ سے فرماتا ہے: اَمْ خلقوا من غیر شئی ام ھم الخالقون۔ (طور: ۳۵)

''آیا لوگ بغیر کسی علت کے خود بخود وجود میں آ گئے ہیں یا وہ خود اپنے پیدا کرنے والے ہیں۔''

چونکہ یہ دونوں صورتیں غلط ہیں لہٰذا بلا شبہ کسی طاقت نے انھیں خلق کیا ہے۔

کبھی اس نے کرۂ زمین اور دوسرے آسمانی کروں کے عجیب و غریب نظم و ضبط سے خدا کے وجود پر استدلال کیا۔

اَفی اللّٰہ شک فاطر السمٰوات والارض''

(ابراہیم: ۱۰)

''آیا اس خدا کے وجود میں شک ہے جس نے زمین اور آسمان پیدا کیا ہے۔''

کبھی اس بات سے وجودِ خدا کو ثابت کیا ہے کہ ایک قسم کے مادے سے اسی پانی اور اسی مٹی کے ذریعہ مختلف طرح کے پھل وجود میں آتے ہیں۔

وَفِی الْاَرض قِطع متجاورات وجنّات مِن اعْنَاب وزرع ونَخیل صِنوان وغَیر صِنوان یسقی بِماء واحد ونفضل بعضھا علی بعض فِی الْاُکُل اِنّ فی ذالک لآیات لِقَوم یَعقِلون۔ (رعد: ۴)

''کرۂ زمین میں ایک دوسرے سے نزدیک مختلف قسم کے ٹکڑے ہیں، انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، خرمے کے درخت ہیں، تخمی اور قلمی دونوں قسم کے، سب کو ایک طرح کے پانی سے سینچا جاتا ہے، لیکن ہم نہیں تو کون ہے جس نے مزے کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر برتری دی ہے۔ اس تنوع اور

اختلاف میں اس کے باوجود کہ سب ایک پانی سے سینچے جاتے ہیں۔ ہمارے وجود کی نشانیاں صاحبان عقل کے لئے ہیں۔''

قرآن مجید میں، اس کا کیا ذکر ان تحریف شدہ آسمانی کتابوں میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ نیچر کی قوتوں سے بچنے کے لئے خدا کی ذات کو پناہ گاہ قرار دینا چاہئے۔ مادہ پرست قرآن کو آسمانی کتاب نہیں مانتا نہ سہی۔ لیکن اسے تسلیم کرتا ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت کے لئے ایک عظیم ترین خداشناسی کی کتاب ہے، کیوں کہ اس کتاب میں اس کے نظریے کا تذکرہ نہیں ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ تمام گذشتہ ادوار انسانیت میں خدا کی طرف راہنمائی سب سے پہلے انسان کی فطرت نے کی ہے۔ اس کے علاوہ کائنات کا وہ ہمہ گیر نظم و ترتیب جس نے لوگوں کو وجود خدا کا قائل بنایا ہے، کون یہ جانتا تھا کہ قانون علت و معلول کے دائرے میں یہ سارا عالم ہے۔ یہ وہ انتہائی قدیم قانون ہے جو انسان کے تمام ادوار زندگی میں اس کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کی پوری عمر بہشت بریں میں گذرے جہاں اس کی آسائش کے تمام وسائل موجود ہیں، جہاں کوئی چیز نقصان رساں، خطرناک، تکلیف دہ نہیں ہے تو بھی وہ وہاں کے خوشنما مناظر دیکھ کر وہاں کی چیزوں میں نظم و ضبط کا مشاہدہ کر کے یہی طے کرے گا کہ اسے کسی صاحب عقل و شعور طاقت نے پیدا کیا ہے، اس نے یہ مناظر خلق کئے ہیں۔ جب تک وہ اس نتیجہ پر نہیں پہنچ لے گا ہرگز چین سے نہیں بیٹھے گا اور غور و خوض سے باز نہیں رہے گا۔

کیا یہ انصاف کا خون نہیں ہے کہ مذہبی تصورات کی پیدائش کے لئے داخلی اور انسانی سبب فطرت اور عقل کے ہوتے ہوئے یہ کہا جائے کہ ان کا سرچشمہ حوادث روزگار سے خوف اور انسان کے بچپنے سے طفلی اور سہارا طلب ہونا ہے؟

یہ جدائی کیسی؟

جب کہ خوف، خدا پر ایمان لانے کی علت ہے تو ہم علت و معلول کے اصول سے قرار پاجاتے ہیں۔ اس اصول کی خصوصیات یہاں موجود ہونی چاہئیں۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ انسانی تاریخ کے ایک حصے میں یہ اصول منطبق ہو کیونکہ علت و معلول کا قانون زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہے، ہمیں جس جگہ اور جس زمانے میں جن حالات میں نیچر کی طاقت سے یا کسی اور سبب سے افراد انسانی خائف نظر آئیں اسی کا لحاظ کرتے ہوئے اتنے ہی وہ خدا کے وجود کے معتقد نظر آنے چاہئیں۔ خوف تمام زمانوں میں انسانیت کا ہمزاد رہا ہے۔ آج بھی خوف سے اسے چھٹکارا نہیں ممکن ہے کہ نیچر کی طاقتوں پر انسان نے قابو پالیا ہو، لیکن انسان صرف ان ہی چیزوں سے تو خائف اور ہراساں نہ تھا۔ برٹرنڈ رسل نے صراحت کی ہے کہ انسان خود اپنے نفسانی تقاضوں سے بھی ڈرتا ہے۔ وہ جنسی خواہشوں کے تسلط سے بھی خائف ہے۔ کہیں اس کی جنسی خواہش اسے تباہ و برباد نہ کردے! خیر ہوسکتا ہے کہ عزت ناموس اس تعلیم یافتہ اور روشن خیال دور میں ایک بے حقیقت چیز سمجھی جائے۔ جنسی خواہشوں کے تسلط سے آبروریزی بے معنی چیز قرار پائے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جنسی خواہش کا

طوفان اور ہیجان انسان کو ایسا اندھا بنا دیتا ہے کہ وہ ہر طرح اس کے پورا کرنے پر تل جاتا ہے۔ اسے اس کی بھی پروا نہیں رہتی کہ اس کی صحت جواب دے دے گی وہ انتہائی تکلیف دہ بیماریوں کا شکار ہو جائے گا۔

فرض کر لیجیے کہ انسان نے نیچر کو قابو میں کرلیا، خطرناک سے خطرناک امراض کے علاج کا راستہ معلوم کرلیا ہے، وہ زمانے لد گئے جب وہ زلزلے سے، طوفان سے، آندھی سے ڈرتا تھا، بجلی اور بادل کی گرج سے اس کا دل دہلتا تھا۔ دق، سل، کینسر سے خائف تھا، لیکن کیا انسان، یہی طاقت ور، مقتدر، واقف کار، عقل کا پتلا، علم کا مجسمہ انسان جنگ سے بھی نہیں ڈرتا ہے؟ غالباً کسی دور میں جنگ سے انسان اتنا خائف نہ تھا جتنا آج خائف ہے۔ اگلے زمانے میں وسائل نقل وحمل سست اور کم تھے آج تیز ترین ہوائی جہاز موجود ہیں۔ اگلے زمانے میں انسان کے ہاتھ میں کون سے ہتھیار تھے؟ وہی کہ جو دنیا کے میوزیم میں لوگوں کو دکھانے کے لئے الماریوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ خصوصیت سے جب سے ایٹم بم انسان کے بس میں آیا ہے، اس وقت جنگ کا ہیولیٰ بالکل بدل گیا ہے۔ گذشتہ دور میں جنگ کی وجہ سے کوئی ایک حصۂ زمین تباہ ہوتا تھا۔ اب پورے کرۂ ارض کو نیست و نابود کیا جاسکتا ہے۔ بڑی ہولناک بات یہ ہے کہ علم وصنعت میں انسان برابر ترقی کر رہا ہے۔ یہ ترقی جہاں ہر شعبۂ زندگی کی سطح کو اونچا کرتی ہے، وہاں اسلحہ سازی کے میدان میں بھی انسان کے قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔

پھر سفر فضائی کے سلسلے میں امریکہ اور روس کے درمیان جو دوڑ ہو رہی ہے اس نے جنگ کی شکل کو اور زیادہ ہولناک بنا دیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ خوف وہراس کے تمام اسباب مل کر انسان کو اتنا نہیں ڈرا سکے، جتنا موجودہ دور میں تنہا خطرۂ جنگ نے اسے خائف بنایا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس سے عوام اتنا ہراساں نہیں ہیں جتنا خواص، جاہل اتنا خائف نہیں ہیں جتنا تعلیم یافتہ، غیر سائنس داں اتنا نہیں ڈرتے جتنا سائنس داں ڈرتے ہیں۔ جس کے معلومات جتنے وسیع اور عمیق ہیں اتنا ہی وہ جنگ سے زیادہ ڈرتا ہے۔

جب کہ علت اس دور میں زیادہ طاقت اور شدت سے موجود ہے تو اس کے معلول خدا پر ایمان کو بھی اتنی ہی طاقت اور شدت سے موجود ہونا چاہئے۔ عوام سے زیادہ خواص کو خدا کا معتقد نظر آنا چاہئے، جاہلوں سے زیادہ تعلیم یافتہ، غیر سائنس داں طبقہ سے زائد سائنس دانوں کا ایمان پختہ اور راسخ ہونا چاہئے۔ کیا واقعاً ایسا ہی ہے؟ پھر یہ معلول کی علت سے جدائی کیسی؟

مذہب نے خوف نہیں گھٹایا

انسان کو انصاف کا دامن کبھی اور کسی کے مقابل نہیں چھوڑنا چاہئے۔ ہم مانے لیتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ابتدائی دور انسانیت میں خدا کا عقیدہ خوف کو کم کرنے کے لئے یا اس سے چھٹکارے کے واسطے ایک ملجا وماویٰ کے طور سے تھا، لیکن اس دور میں انسان کے فہم وشعور کی سطح چونکہ پست تھی۔ اس خوف کا اصلی سرچشمہ انسان کی ناتوانی اور جہالت ہے۔ یقینا ابتدائی انسان بہت ناتواں اور جاہل تھا۔ اس کی موجودگی میں یہ احتمال بہت کمزور ہے کہ وجود خدا کے

عقیدے نے خوف کو دور کر دیا ہو۔

لطف یہ ہے کہ بالفرض اگر ایک طرف خدا پر ایمان نے نیچر کی ظالم طاقتون سے انسان کے خوف کو کم کیا تو دوسری طرف خدا کی ناراضگی کے خوف نے انسان کو زیادہ متوحش بنا دیا ہے۔ نیچر کی طاقتیں تو صرف انسان کی دنیوی زندگی کی بربادی کا سبب بن سکتی ہیں لیکن خداؤں کا بگڑ جانا اس کی دنیا اور آخرت کو تباہ کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ یہی خدا کی ناراضگی کا خوف تھا جس نے مصر کے لوگوں کو مجبور کر دیا کہ دریائے نیل کے خدا کا غصہ فرو کرنے کی غرض سے وہ ہر سال ایک حسین وجمیل لڑکی اس کی موجوں کے سپرد کر دیں۔

ہمارے نزدیک نہ سہی لیکن برٹرنڈ رسل کے ارشاد کے مطابق خدا پر ایمان نے جنگ سے وحشت اور ہراس کو بھی کم نہیں کیا بلکہ مذہب نے جنگ کی آگ کو اور بھڑکایا، تاریخ کے ابتدائی ادوار میں اکثر وبیشتر جنگیں مذہب کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ اسی کو دلیل قرار دیتے ہوئے برٹرنڈ رسل نے فرمایا ہے کہ: ''انسانی تاریخ میں مذہب کے عواقب ونتائج اکثر وبیشتر نقصان رساں نظر آتے ہیں۔''

ایک مچھلی نے پورا تالاب گندہ کیا

اکثر وہ لوگ کہ جنھوں نے خدا کے عقیدے کی پیدائش کا سبب خوف کو قرار دیا ہے، انھیں مخصوص ماحول نے اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ خدا پرستی کے محرکات کا جائزہ لینے کے موقع پر ہر ہر مذہب کے خصوصیات کی مستقل اور جداگانہ تحقیق کرتے۔

عام طور سے یہ لوگ کلیسا کی تعلیمات اور نظریات سے متاثر ہیں۔ یہ اس کے خلاف اظہار ناراضگی میں کبھی دریغ نہیں کرتے، برابر اس پر حملے کرتے رہتے ہیں۔ موقع ملتا ہے تو اچھی طرح اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مسیحیت ارباب بست وکشاد کی کج اندیشی، غلط روش، غیر اطمینان بخش طریقہ تفہیم، مذہب کے خلاف خیالات پیدا ہونے کا بہت بڑا سبب تھا۔ اسی کلیسا اور مسیحیت نے مذہب کے مخالفین کا طبقہ پیدا کیا۔

جب کلیسا کی تعلیمات ایسی نامعقول اور مضحکہ خیز ہوں کہ اس کے مذہبی رہنماؤں کے قیمتی مباحث میں سے ایک یہ ہو کہ خدا کی دونوں آنکھوں کے درمیان چھ ہزار فرسخ کا فاصلہ ہے تو اس کے بعد اہل علم اور صاحبان عقل کا مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اور مورچہ بندی کرنا لازمی تھا۔ لیکن بے انصافی کی بات یہ ہے کہ عیسائیت سے دشمنی نے مطلق مذہب کا دشمن کیوں بنا دیا؟

صرف مسیحیت کے خلاف مورچہ بنایا جاتا تو ہمیں شکایت نہ ہوتی لیکن ہر مذہب کے مقابلہ میں کیوں صف آرائی کی گئی۔ اب جو کچھ کہا جاتا ہے وہ صرف مسیحیت کے بارے میں نہیں بلکہ بلا کسی قید وشرط کے مذہب اور خدا پرستی کے متعلق ادعاء کیا جاتا ہے کہ وہ تخیل کی ساختہ و پرداختہ ہے خدا کا عقیدہ خوف سے نجات کی خاطر قائم کیا گیا ہے، ہولناک طبیعی حوادث کے مقابلہ کے لئے انسان کو ایک پناہ گاہ کی تلاش تھی۔ اس نے خدا کی ذات کو یہی پناہ گاہ قرار دیا ہے۔

عمومی طور سے مذہب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دین ہرگز انسانی معاشرے کے مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل

نہیں کرسکتا کیونکہ روحانی دنیا کا جو تصور ہمارے دماغ میں ہے اس میں دنیوی اور مادی مسائل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے پیغمبروں اور علماء وحکماء نے ان مشکلات کے متعلق جو انسان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں سوائے پند ونصیحت کے کچھ نہیں کیا ہے۔

یہ روشن خیال اہل علم کاش عیسائیت کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب کے تعلیمات کی بھی تحقیق کرتے۔ خصوصیت سے انھوں نے کم از کم اسلام کا مطالعہ کرلیا ہوتا، اور دیکھتے کہ دنیا کے تصور کے متعلق اسلام کا فلسفہ اور اس کی منطق کتنی گہری اور معقول ہے۔ اس کے احکام اور قوانین میں کیسی ہمہ گیری ہے۔

ممکن ہے کہ مسیحیت اس قابل ہو کہ اس کے متعلق اس طرح کے معاندانہ فیصلے کئے جائیں لیکن اسلام کا دامن تو تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ مسیحیت کا غصہ اس پر کیوں اتارا جائے؟

اسلام میں تو کوئی اس قسم کا مسئلہ موجود نہیں ہے کہ خدا کی دونوں آنکھوں کے درمیان چھ ہزار فرسخ کا فاصلہ ہے۔ اسلام معرفت خدا کا بہترین مکتب ہے۔ اس میں نہایت باریک بینی سے خدا کی تنزیہ وتقدیس کی گئی ہے۔ اس کے تمام مذہبی عقائد انتہائی معقول اور مستحکم علمی وفلسفی بنیادوں پر استوار ہیں۔ اس کے تمام قوانین واحکام عقلی فیصلوں کے مطابق ہیں۔ اسلام کو عیسائیت کے ساتھ ایک لکڑی سے کیوں ہنکایا جاتا ہے؟

جنسی خواہشوں سے ہراس

برٹرنڈ رسل نے خوف کا تیسرا سبب انسان کی شدید جنسی خواہشوں کو قرار دیا ہے جو اسے نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ انسان اپنے مطلق العنان جنسی میلانات سے ڈرتا ہے، اسی خوف کی وجہ سے اس نے خدا کو مانا ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ انسان فطری طور سے اس کا محتاج ہے کہ جنسی میلانات کو اپنے قابو میں رکھے۔ اگر انھیں آزاد چھوڑ دے گا تو اس میں کوئی جسمانی یا نفسیاتی نقص پیدا ہو جائے گا۔ وہ کمزور ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی خطرناک جسمانی بیماری میں مبتلا ہو جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے ذہن اور حافظے پر اثر پڑے۔ ظاہر ہے کہ انسان فطرتاً نقائص سے متنفر ہے، وہ کمال پسند واقع ہوا ہے۔ یہی کمال پسندی کا جذبہ اسے ہوس رانی سے بچا سکتا ہے اور اس کا محرک ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی جنسی پیاس کو بجھانے کے لئے معقول حدود سے قدم آگے نہ بڑھائے۔

کمال دوستی کے اس فطری تقاضے کے علاوہ یقینا خدائے حاضر وناظر کا عقیدہ، عالم آخرت کی جزا اور سزا کے تصورات بھی جنسی خواہشوں میں توازن واعتدال پیدا کرنے کا سبب ہیں۔ درحقیقت جنسی خواہشوں کے طغیان نے جس طرح کمال دوستی کا جذبہ نہیں پیدا کیا ہے اسی طرح خدا کے وجود اور آخرت کی جزا وسزا کا عقیدہ بھی نہیں پیدا کیا ہے۔

اطمینان قلب ایمان کا نتیجہ ہے

جن لوگوں نے خوف کو یا زیادہ صحیح لفظوں میں کہا جائے تو انسان کی اطمینان طلبی کو مذہب کی پیدائش کا سبب قرار دیا ہے انھوں نے نتیجہ اور فائدے کو علت کی جگہ رکھ دیا ہے۔ اطمینان اور سکون ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے جو انسان کو مذہب کا معتقد

ہونے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ بے دینی اضطراب انگیز ہے اور دین داری امن وامان اور اطمینان کا سامان۔

اگر فلسفیانہ رخ سے دیکھا جائے تو زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی اطمینان طلبی مذہب کی علت غائی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی مذہب کا پابند اس لئے نہیں ہوتا کہ اسے سکون قلب کی دولت ملے بلکہ معتقد ہونے کے بعد اس میں یہ نفسیاتی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ سچا مذہبی شخص ہونے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کا دل ساکن اور مطمئن ہوجاتا ہے۔ اسی لئے علم الاجتماع (Socology) اور علم النفس (نفسیات/Psychology) کے ماہرین اور تمام ان لوگوں نے مذہب اور دینی اعتقادات کی طرف افراد انسانی کو دعوت دی ہے جو اس خشک اور بے روح دنیا میں انھیں اضطراب، بے چینی اور درد دکھ سے نجات دینا چاہتے ہیں۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ مغربی دنیا کو جس اطمینان طلب کی خواہش ہے وہ اسے مسیحیت کی پیروی میں ملے گا یا نہیں؟ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مغرب کی اس اطمینان طلبی کا سرچشمہ خالص مادی تفکر اور دنیا پرستی ہے۔ بے شک مذہب انسان کو اطمینان دیتا ہے لیکن نہ وہ اطمینان کہ جس کے سائے میں انسان بغیر کسی دغدغہ کے اپنے مطلق العنان سرکش جنسی میلانات کو زیادہ سے زیادہ پورا کرے اور اپنے بے روح معنویت سے محروم زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھائے۔

مذہب انسان کو اطمینان قلب اور سکون نفس دیتا ہے لیکن ایسا اطمینان وسکون جس میں زندگی کے معنوی پہلو مادی گوشوں پر تفوق رکھتے ہیں۔ ایسا سکون واطمینان جس میں آزادی اور مطلق العنانی نہیں ہے بلکہ انسان کے کاندھوں پر احکام مذہبی کی تعمیل کا بوجھ ہے۔ ☆☆☆

بقیہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

حضرت علی بن ابی طالبؑ سے بظاہر جدا کرنے کے بعد ان کی خاطر داریوں میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا جاتا تھا۔ یہی بلکہ اس سے زیادہ حضرت امام حسنؑ کے ساتھ ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ صلح کرنے کے بعد بھی امام حسنؑ کو آرام اور چین نہیں لینے دیا گیا اور بالآخر زہر دغا سے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ اسی سے ظاہر ہے کہ حاکم شام بھی جانتے تھے کہ یہ رائے، مسلک، خیال اور طبیعت کسی اعتبار سے بھی اپنے باپ بھائی سے جدا نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت انہیں فرض کا تقاضا یہی محسوس ہوا لیکن اگر مصلحت دینی میں تبدیلی ہوتو یہی کوئی نیا صفین کا معرکہ پھر آراستہ کرسکتے تھے اور انہیں کے ہاتھ سے کربلا بھی سامنے آسکتی ہے اسی لئے ان کی زندگی اس کے بعد بھی ان کے سیاسی مقاصد کے لئے خطرہ بنی رہی اور جب ان کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے اطمینان کی سانس ہی نہیں لی بلکہ اپنے سیاسی ضبط وتحمل کے دائرے سے بھی تجاوز کر کے بالاعلان انھوں نے مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حسن مجتبیٰؑ کی صلح کسی مخصوص ذہنیت یا طبیعت کا نتیجہ نہیں تھی، وہ صرف فرض کے اس احساس کا تقاضا تھی جو انسانی بلندی کی معراج ہے۔ ☆☆☆